© rasailojaraid.com

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اسلامیان ہند کا تہذیبی ورثہ

(۵)

از:- سعید احمد اکبرآبادی

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جس چیز کو عرفِ عام میں مذہبیت کہتے ہیں اس میں نواب محسن الملک کا مقام سرسید سے بلند تر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سکریٹری شپ کے زمانہ میں اسلامی تہذیب کے مذہبی نقش و نگار میں زیادہ نکھار پیدا ہوا، وہ اپنی تقریروں میں عمل پر ہمیشہ زور دیتے تھے اور مسلمان طلباء کو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے پکے اور سچے مسلمان بننے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک لکچر میں کس سوز و گداز سے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"اگر تمہارے ذہن میں اسلام کی سچائی کا یقین نہ رہے اور تم اپنے مذہب پر قائم نہ رہو اور جیسے کہ نام اور صورت کے مسلمان ہو تو تمہارے علم سے جہل اچھا، تمہاری تہذیب سے بے تہذیبی بہتر، بلکہ سچ پوچھو تو تمہاری زندگی سے قوم کے لیے تمہاری موت اچھی، کیا خوشی ہوسکتی ہے ہم کو اس سے کہ تم عالم بن گئے، حکیم اور فلسفی ہو گئے، دنیا کے سارے علوم سیکھ لیے، یورپ کی نئی تحقیقاتوں اور یونان کے پرانے علوم میں استاد ہوگئے، مگر مسلمان نہ رہے، اور مسلمانی چھوڑ بیٹھے، جب تمہارے دل میں اسلام ہی نہ رہا تو قوم تم پر کیا فخر کرے گی، تمہارا نام علماء اور حکماء کی فہرست میں دیکھ کر کیا خوش ہوں گے، تمہارے گلے میں خطابی تمغوں کے ہار پڑے ہونے سے کیا فائدہ؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کو گود میں بٹھاتا ہے جب کہ اس کی جان نکل گئی ہو، گو وہ کیسا ہی خوبصورت اور پیارا کیوں نہ ہو، بس اسلامی کردار اس درس گاہ کی اور اسلام تمہاری جان ہے، اس کے بغیر کوئی کیسا ہی عالم و فاضل کیوں نہ ہو جائے وہ ایک مٹی میں دبانے کے قابل، اور ایک نعش ہے زمین میں چھپانے کے لائق ہے۔ ؎

موصوف جیسا دیدہ ور اور بالغ منظر بزرگ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک لیڈر کو قوم کا صرف ماتم گسار اور اس کی عظمتِ گذشتہ کا مرثیہ خواں یا نکتہ چیں و نقاد نہیں ہونا چاہئے، جو ہر وقت قوم کے معائب و مثالب اور اس کی کمزوریوں اور برائیوں کو بیان کر کرکے اس کو مطعون کرتا رہے کہ اس سے قوم احساسِ کمتری کا شکار ہو کر مٹ جاتی ہے اور اس میں ابھرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی بلکہ لیڈر کا فرض یہ بھی ہے کہ قوم میں اگر کوئی جوہر قابل موجود ہے تو اسکو ابھارے اس کی تعریف کرے تاکہ اس میں حوصلہ و ولولۂ عمل پیدا ہو۔ بہر حال ایک لیڈر میں شان نذیری کے ساتھ شان بشیری کا ہونا بھی ضروری ہے، نواب محسن الملک میں یہ دونوں باتیں بدرجۂ اتم تھیں، چنانچہ ۱۸۹۲ء میں انہوں نے حیدرآباد میں جو لیکچر دیا تھا وہ کتابی صورت میں اسی زمانہ میں چھاپ دیا گیا تھا۔ اس کی ایک کاپی اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے، اسی کو ملاحظہ فرمایئے، سبحان اللہ کیا عجیب و غریب لیکچر ہے۔ فاضل مقرر کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے حقائق اور جذبات دونوں کو باہم گر ایسا ہم آہنگ بنایا ہے کہ پورا مضمون قوس قزح کی دھنک معلوم ہوتا ہے ایک مقام پر مسلمانوں کے موجودہ آلام و مصائب کو بیان کرنے کے بعد خود ایک سوال اٹھاتے ہیں:
"تو پھر اسلام جواب نام کو باقی ہے کیا وہ بھی نہ رہے گا؟ اور پھر خود اس کا جواب کس قوت اور جوش و خروش

؎ افسوس ہے ان سطور کے لکھتے وقت تھوڑی بہت جستجو کے باوجود محسن الملک کے خطوط، مضامین اور لیکچروں کا مجموعہ دستیاب نہ ہو سکا، اس لیے محسن الملک کے سلسلہ میں اگر کوئی اور حوالہ نہ ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ اردو ڈائجسٹ ہمارے مسلم یونیورسٹی نمبر سے ماخوذ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے دیتے ہیں! فرماتے ہیں:۔

"کلا واللّٰہ، کلا واللّٰہ، کلا واللّٰہ، والذی نفسی بیدہٖ کلا، ھوالذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہٗ وھوالولی الحمید[1] ہم اگرچہ بیمار ہیں مگر ابھی مرے نہیں، گو ابھی ضعیف ہوگئے ہیں مگر ابھی دم نہیں توڑا۔ دماغوں کی قوت، دلوں کا جوش اور طبیعتوں کا ولولہ بلاشبہ بہت کم ہوگیا ہے، مگر ابھی باقی ہے، وہ دل کو ہلا دینے والی آواز "اللّٰہ اکبر" کی جو ہمارے بزرگوں کے منہ سے نکلی تھی، اگرچہ سست پڑگئی ہے، مگر کانوں میں اب تک گونجتی ہے، وہ خوبصورت تصویر اسلام کی جو ہمارے باپ دادا نے کھینچی تھی اور جس نے ساری دنیا کو اپنا گرویدہ اور فریفتہ کرلیا تھا۔ اگرچہ نقاب میں چھپ گئی ہے، مگر ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئی، وہ ابراہیمی خون جو ہماری رگوں میں دوڑتا پھرتا تھا، اگرچہ دھیما پڑگیا ہے مگر ابھی جاری ہے، وہ ہاشمی جوش جو ہمارے سینوں میں بھرا ہوا تھا، اگرچہ سست ہوگیا ہے مگر ابھی باقی ہے، وہ نورِ اسلام جس سے ہمارے دل روشن تھے، اگرچہ دھندلا ہوگیا ہے مگر ابھی بجھا نہیں، اب بھی اسلام کی حرارت اس قدر باقی ہے کہ اسلام کا نام سن کر وجد میں آجاتے ہیں، مذہب کا جوش اب تک اتنا ہے کہ دین کی آواز سنتے ہی چونک پڑتے ہیں، اور یہی دلیل اس بات کی ہے کہ اسلام ابھی باقی ہے اور مسلمان ہنوز زندہ ہیں، اور جب تک زندگی ہے، ہر طرح کی امید ہے (ص ۱۲، ۱۳)

فرقہ پرستی سے دور رہنے کی تاکید

جس طرح کوتاہ منظر آج یونیورسٹی کو فرقہ پرستی کا الزام دیتے ہیں، اسی طرح محسن الملک کے زمانے میں بھی لگا ہے لگا ہے اس قسم کی آوازیں کالج کے خلاف بلند ہوتی رہتی تھیں اور جیسا کہ

---

[1] ترجمہ:۔ بخدا نہیں، بخدا نہیں، بخدا نہیں، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی قسم! وہ تو وہ ہے جو لوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے اور وہی ہے کارسازِ مطلق اور لائقِ حمد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے چل کر ہم مفصل گفتگو کریں گے، علی گڑھ کالج ہندو فرقہ پرستوں کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگا تھا اور وہ موقع بموقع اس کا اظہار کرتے رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود کالج کا معاملہ کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس ایک خطاب سے ہوگا جو نواب محسن الملک نے ایک مرتبہ طلباء سے کیا تھا، اس میں آپ نے فرمایا۔

"اے میرے عزیز بچو! کبھی ایسے خیال کو (فرقہ پرستی) تم دل میں نہ لانا، کبھی ایسی بات کو جس سے جھگڑا پیدا ہو نہ سنو، ہندوؤں کو اپنا بھائی سمجھو، ان کے بزرگوں کو عزت اور ادب سے یاد کرو۔ ان کے ساتھ محبت اور اخلاق سے پیش آؤ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان کے ساتھ سچا دوستانہ برتاؤ کرو جس سے وہ خود شرمندہ ہوں، وہ تمہارا تحمل اور تمہاری دوستی دیکھ کر تمہاری قدر کریں، وہ تمہارے بزرگوں کو نیکی سے یاد کرنے لگیں اور بجائے بدی کے نیکی کا برتاؤ دیکھ کر وہ خود اپنے طرزِ عمل کو بدلنے پر مجبور ہوں، یہ انصاف کی بات نہیں کہ تم اپنے آپ کو معصوم اور پاک سمجھو اور اختلاف کے سارے گناہ کا الزام ہندوؤں کو دو، تم اسی کالج کے نیک نام طالب علم اور سرسید کے سچے مقلد اور ہمارے پیارے عزیز اسی وقت سمجھے جاؤ گے جب کہ تم اپنے ہم وطنوں اور اپنے بھائیوں کی ناگوار باتوں سے چشم پوشی کرو اور ان کی اچھی باتوں کو دل سے سنو، ان ناقص تعلیم یافتوں کو نہ دیکھو جو اختلاف پیدا کرنے کے خواہاں ہیں، بلکہ ان عالی دماغ ہندوؤں کی باتیں سنو جو اتحاد اور اتفاق بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

غور کیجئے! کیا نواب محسن الملک کی یہ تقریر بعینہٖ قرآن مجید کی حسب ذیل ان آیات کی ترجمان نہیں ہے جن میں فرمایا گیا ہے، جو لوگ تمہارے مخالف ہیں ان کے ساتھ مجادلہ ایک ایسے طریقہ پر کرو جو سب سے بہتر ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تمہارا اکٹر دشمن بھی تمہارا پکا دوست بن جائے۔ اسکے بعد اس پر بھی متنبہ فرما دیا گیا کہ یہ راستہ اختیار کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، چنانچہ ارشاد ہوا۔ اور ہاں! اس راہ کو وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو صبر کے خوگر ہوتے ہیں اور جو لوگ بڑی قسمت والے ہوتے ہیں، اسی کے قریب المفہوم وہ آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہاں دیکھو کسی قوم کا بغض تم کو عدل وانصاف کے جادہ سے منحرف نہ کردے، تم بہر حال عدل ہی کرو۔ پرہیزگاری کا قریب ترین راستہ یہی ہے"۔

ایک اور موقع پر نواب محسن الملک نے طلبا کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دوسروں پر الزام رکھ دینے سے کام نہیں چلتا ہے، یاد رکھو تم ہرگز سرسید کے پیرو نہ سمجھے جاؤ گے اور نہ تم تعلیم یافتہ کہلاتے جانے کے مستحق ہو گے اگر تم نے (فرقہ پرستی کے) اس زہریلے مادہ کو اپنے جسم میں سرایت ہونے دیا اور تم نے بھی ہندو مسلم میں فرق سمجھا، اگر تم ایسا کرو گے تو اس کا نقصان نہ صرف تم کو ہوگا، بلکہ تمہاری ساری قوم کو ہوگا اور نہ صرف تم بدنام ہو گے، بلکہ یہ کالج بھی بدنام ہوگا، اور ہم پر اس کا الزام آئے گا۔ مجھے نہایت روحانی تکلیف ہوتی ہے جب میں بعض اخباروں میں پڑھتا ہوں کہ علیگڈھ پارٹی متعصب ہے اور اس کے تعلیم یافتہ نوجوان ہندوؤں کے مخالف ہیں، میں نہیں کہ سکتا کہ یہ خیال کہاں تک صحیح ہے، اگر اس کا خیال یا عمل اس پر ہو تو میں پوچھتا ہوں کہ یہ سبق تم کو کس نے سکھایا؟ کیا مرحوم سرسید نے؟ اور کیا ہم نے؟ حاشا و کلا نہ سرسید اور نہ ہم اس کے ملزم ہیں، بلکہ برخلاف اس کے ہم نہایت حقارت و نفرت سے ایسی باتوں کو دیکھتے ہیں"۔

جس کو ہم "تہذیب" کہتے ہیں وہ دراصل نام ہے زندگی اور کائنات کے متعلق ایک مخصوص نقطۂ نظر اور اس کے مطابق اپنے کردار کو بنا لینے کا،، اس بنا پر اسلامی تہذیب کے معنی ہوئے کہ زندگی اور کائنات کی نسبت وہ عقیدہ اور نقطۂ نظر رکھنا جو اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہو اور پھر اسی کے مطابق اپنا کیرکٹر بنانا، محسن الملک نے یہ جو فرمایا قرآن کی تعلیمات کے مطابق تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سرسید اور ان کے جانشین علیگڈھ کالج (اور اب یونیورسٹی) کو جس اسلامی تہذیب کا نمائندہ بنانا چاہتے تھے وہ فرقہ پرستی سے اور ملکی و وطنی معاملات میں ہندو مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فرق و امتیاز سے کس درجہ نفور اور بلند تھی، سرسید پر فرقہ پرستی کا الزام سب سے پہلے ان کی کانگریس کی مخالفت اور بعض شخصی طور پر ان کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے لگا، لیکن ان معاملات میں بھی انھوں نے اپنا دامن فرقہ پرستی کی گندگی سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ ہندوستان کے مشہور مورخ اور کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف لکھتے ہیں :۔

> آپ سرسید کو رجعت پرست کہہ سکتے ہیں، مگر فرقہ پرست کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے "۔ (علیگڈھ تحریک صفحہ ۱۸۰)

اس معاملہ میں جو کیریکٹر سرسید کا تھا وہی بلکہ اس سے کچھ زیادہ ان کے جانشین کا تھا۔ اگر ان تمام تقریروں کے باوجود وہ فرقہ پرست تھے تو ہم بڑے خوش ہوں گے اگر ہمارے یہ دوست پنڈت مدن موہن مالویہ، ڈاکٹر مونجے، ساورکر یا کسی اور بڑے مہاسبھائی یا جن سنگھی لیڈر کی بھی کوئی ایسی تقریر پیش کر سکیں جس میں صرف ہندو طلباء سے خطاب کرتے وقت مسلمانوں کی نسبت اسی قسم کے جذبات و احساسات کا اظہار کیا گیا ہو۔

پھر وہی ہندی اردو جھگڑا

لیکن ابھی سرسید کے انتقال کو دو برس ہی ہوئے تھے اور نواب محسن الملک ہر چیز سے صرف نظر کرکے کالج کو ترقی دینے اور اس کی گذشتہ کوتاہیوں کی تلافی کرنے کی جد و جہد میں ہمہ تن مصروف تھے کہ انھیں دنوں میں سر انٹونی مکڈانلڈ کی گورنمنٹ نے اتر پردیش میں یہ حکم نافذ کیا کہ حکومت کے تمام سمن اور اعلانات آئندہ اردو اور ناگری حروف میں جاری ہوں گے اور کوئی شخص کسی عہدہ پر اس وقت تک مقرر نہ ہوگا جب تک وہ ان دونوں میں سرعت کے ساتھ بے تکلف لکھنے کی مہارت نہ رکھتا ہو۔ گورنمنٹ کے اس حکم نے مسلمانوں میں سخت بددلی پیدا کر دی اور اس کے اظہار کے لیے انھوں نے جگہ جگہ جلسے منعقد کیے۔ اخبارات نے پے بہ پے مضامین شائع کیے، علیگڈھ اس وقت مسلمانوں کی قیادت کا مرکز تھا۔ اس کے لیے دامن بچانا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ۱۳ مئی سنہ ۱۹۰۰ء کو علیگڈھ میں ایک جلسہ ہوا جس میں بقول مولوی طفیل احمد صاحب منگلوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ایک موربانہ مگر پرزور اپیچ ناگری کے اجراء کے خلاف کی اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کی تائید سے ایک رزولیوشن اس مضمون کا پیش کیا کہ گورنر سے اس حکم کو واپس لینے کی درخواست کی جائے اس کے بعد ۱۸ اور ۱۹ راگست کو ایک عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں ہوا، اب نواب محسن الملک اردو تحریک (جو بعد میں انجمن ترقی اردو بنی) کے صدر بھی ہو چکے تھے۔ اس لیے اس حیثیت سے انہوں نے اس جلسہ میں بھی ناگری کی مخالفت میں بڑی معرکہ آراء تقریر کی۔ حکومت ان کی پچھلی تقریر سے ہی کچھ کم ناراض نہ تھی کہ اب اس دوسری تقریر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ چنانچہ لفٹنٹ گورنر خود علیگڈھ آیا۔ کالج کے ٹرسٹیوں سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ "نواب محسن الملک دونوں کام نہیں کر سکتے یا وہ علیگڈھ کالج کے سکریٹری رہیں یا انجمن اردو کے صدر، نواب محسن الملک کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً کالج کی سکریٹری شپ سے استعفاء دے دیا، حکومت کو اس پر اور ناراضگی ہوئی اور دوسری جانب ٹرسٹیوں نے بھی بہت اصرار کیا لیکن نواب محسن الملک نے استعفا واپس نہیں لیا۔ البتہ وقار حیات کے مصنف مولوی محمد اکرام اللہ خاں صاحب ندوی لکھتے ہیں۔ ابھی یہ مسئلہ (یعنی استعفا واپس لینے نہ لینے کا) زیر بحث تھا کہ میکڈانلڈ کا دور حکومت ختم ہو گیا اور سر جیمس لاٹوش ان کے جانشین ہوتے۔ ان کو کالج سے اور مسلمانوں کی ترقی سے یک گونہ دلچسپی تھی، ان کے عہد میں بھی یہ مسئلہ پیش ہوا۔ آخر سر جیمس خود علیگڈھ آتے اور وہاں جب انہوں نے ٹرسٹیوں اور نواب محسن الملک کو اس بات کا یقین دلایا کہ گورنمنٹ کسی کی آزادی سلب نہیں کرے گی تو نواب صاحب نے استعفا واپس لے لیا اور پھر کالج کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا، یہ واقعہ نواب صاحب کی خودداری، عزتِ نفس اور حق گوئی کی دلیلِ روشن ہے، اسلامی تہذیب اور اسلامی کردار کے معاملہ میں بھی ان کے تشدد کا یہ عالم تھا کہ کالج میں بائبل کی تعلیم کا جو سلسلہ وہاں کے مقامی مشنریز نے شروع کیا تھا، نواب محسن الملک نے اس کو حکماً بند کرا دیا، مشنری خواتین نے اس کی مزاحمت کی مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

نواب محسن الملک کی زندگی کا عظیم کرائسس | تعلیم اور ڈسپلن کے اعتبار سے کالج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے یوروپین اسٹاف نے جو خدمات انجام دیں ان کا اعتراف نہ کرنا ناسپاسی ہوگا۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انتظامی اعتبار سے یہ اسٹاف سانپ کے منہ کا چھچھوندر بن گیا۔ اس سے دامن چھڑا سکتا تھا اور نہ اسکے ساتھ نباہ کرنا، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، سرسید کو زندگی کا سب سے بڑا حادثہ جس نے ان کا کام ہی تمام کردیا اسی یوروپین اسٹاف کے باعث پیش آیا تھا اور اب اس واقعہ کے کم وبیش دس برس کے بعد پھر اسی قسم کا ایک عظیم حادثہ نواب محسن الملک کو پیش آیا۔ وقار حیات کے بیان کے مطابق اس واقعہ کی روئداد یہ ہے کہ ۱۹۰۶ء میں جب بعض وجوہ سے پرنسپل مارلین نے علیگڈھ کو چھوڑنے کا ارادہ کیا اور کالج کے ٹرسٹیوں نے اس کو منظور بھی کرلیا تو اب پرنسپل مارلین نے اپنی قائم مقامی کیلئے خود ایک سینئر پروفیسر مسٹر کارنا کا نام پیش کیا۔ نواب محسن الملک اس انتخاب سے خوش نہ تھے، لیکن بعض مجبوریوں کے باعث انہوں نے اس سفارش کو منظور کرلیا تھا، لیکن کارنا ایک نہایت بد دماغ اور تند خو انگریز تھا۔ مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی تعطیل جو کالج میں ہوتی تھی اس کو اس نے بند کردیا تھا، غرض کہ مسٹر کارنا سے متعلق اسی قسم کی باتیں پبلک میں مشہور تھیں۔ اس بنا پر جب مارلین کے بعد اسی شخص کی نامزدگی کا چرچا پبلک میں ہوا تو آگ لگ گئی، اخبارات نے مضامین لکھے، مختلف انجمنوں نے احتجاجی جلسے کئے، اس مخالفت میں نواب وقار الملک نے قائدانہ رول ادا کیا۔ انہوں نے ایک مفصل خط ٹرسٹیوں کے نام لکھا اور اس میں بتایا کہ سرسید کا کالج قائم کرنے سے اصل مقصد کیا تھا اور اب تک ایک سینئر پروفیسر کی حیثیت سے مسٹر کارنا کا جو طرز عمل کالج کے طلباء، ملازمین اور کالج کی روایات کے ساتھ رہا ہے اس سے سرسید کے مقصد کو کس درجہ عظیم نقصان پہونچا ہے، نواب صاحب نے اس گشتی مراسلہ میں کارنا کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ اس شخص کی بد دماغی کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ بورڈنگ ہاؤس کے ملازموں سے کہا کہ تمہاری عشاء اور صبح کے وقت کی اذان سے مجھکو بہت تکلیف ہوتی ہے، اگر تم اس کو بند نہ کروگے تو میں تمہاری نماز کا چبوترہ اکھاڑ کر پھنکوا دوں گا، اسی شخص نے ایک مرتبہ غصہ میں کہا، "مسلمانوں کے لیے تو انگریزی کی بجائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نعلبندی کی تعلیم زیادہ مفید ہوگی"۔ سربرآوردہ اور ممتاز حضرات میں مولانا حالی نواب وقار الملک کی رائے کے سب سے بڑے مؤید تھے۔ مسٹر کارنا کی نسبت جو باتیں اوپر بیان کی گئی ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو اب تعجب اس پر ہوتا ہے کہ نواب محسن الملک جیسا مذہبی، خوددار اور غیرتمند بزرگ کار تاجیسے اسلام دشمن اور مغرور و بد دماغ انگریز کو کالج کا پرنسپل بنانے پر کیسے رضامند ہوگیا؟

اس سلسلہ میں امور ذیل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

(۱) اگرچہ نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک دونوں قوم کے نہایت مخلص خادم اور عقیدہ و عمل کے اعتبار سے پکے اور سچے مسلمان تھے، لیکن افتاد طبیعت کے اعتبار سے دونوں میں بون بعید تھا۔ چنانچہ .... نواب محسن الملک کی سکریٹری شپ کے زمانہ میں جب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے کوشش کی کہ نواب وقار الملک بھی نواب محسن الملک کے ساتھ مل کر کام کریں تو اول الذکر نے صاف انکار کردیا اور اس کی وجہ بھی بتائی کہ میں نواب محسن الملک کے ساتھ کام نہیں کرسکتا، صاحبزادہ موصوف کو اپنی تجویز پر اصرار اس لیے تھا کہ — جیسا کہ مولنا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی نے "وقارِ حیات" کے مقدمہ میں نقل کیا ہے (ص۱) — ان کی رائے تھی "محسن الملک تیل ہی تیل ہیں" وقار الملک لوہا ہی لوہا، جب تک دونوں نہ ملیں کالج کی مشین نہیں چل سکتی"۔ [۱]

---

[۱] اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اختلاف کہاں نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ اولاً ان دونوں کا اختلاف بعض مسائل میں سرسید کے ساتھ اور پھر ان دونوں کا اختلاف آپس میں جو کچھ بھی تھا خلوص اور نیک نیتی پر مبنی تھا اس بنا پر یہ اختلاف کبھی خلاف نہیں بنا اور ایک دوسرے کے ساتھ ذاتی ادب و احترام کے برتاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا، چنانچہ سرسید اور نواب وقار الملک کے اختلاف کے سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ یہ لکھتے ہیں کہ "نواب وقار الملک کے انتہائی عروج حیدرآباد کے زمانہ میں ایک مجمع اکابر نے یہ سماں دیکھا کہ وقار الملک کی ترکی ٹوپی ان کے ہاتھ میں ہے، گھٹنا ہوا سر سرسید کے (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) کالج کے یورپین اسٹاف میں سب لوگ ایک ہی مزاج اور طبیعت کے نہیں تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ لیکن سب سے بڑا اور مشکل مسئلہ یہ تھا کہ اس اسٹاف کے بعض ناپسندیدہ لوگوں کے خلاف اگر کوئی اقدام کیا جائے تو یہ دیکھنا ضروری تھا کہ حکومت پر اس کا اثر کیا ہوگا! حکومت قومی یا جمہوری تو تھی نہیں، آمرانہ تھی، اگر کالج حکومت کا معتوب ہو جائے تو لڑکوں کو

(بقیہ صفحہ ۳۰۲) سامنے جھکا ہے۔ زبان سے کہہ رہے ہیں "یہ سر حاضر ہے جوتیاں ماریئے، مگر عرض یہی کروں گا کہ رائے آپ کی غلط تھی۔ (ص ۱۰) اسی طرح یہ بھی سن لیجئے کہ نواب وقار الملک کے سخت اختلاف کے باوجود جب ایک اخبار کے نامہ نگار نے نواب محسن الملک سے انٹرویو لیتے ہوئے ان سے اس اختلاف کی وجہ پوچھی اور ساتھ ہی اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ نواب وقار الملک سکریٹری شپ کے خواہاں ہوں گے تو نواب محسن الملک نے نہایت صفائی اور بڑی قوت سے فرمایا۔" بمقتضائے بشریت مجھے اس کا رنج ہوا ہے، مگر میں یقین کرتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے لکھا گو کیسا ہی سخت لکھا ہے مگر ذاتی مخالفت یا رنج کی وجہ سے نہیں لکھا۔ بلکہ اپنے نزدیک قوم اور کالج ہی کے فائدہ کی غرض سے لکھا ہوگا۔ اس لیے میں ان کی گالیوں کو بھی ان کی نیک نیت پر خیال کرکے اپنے لیے تنبیہہ اور ہدایت سمجھتا ہوں"، (وقار حیات ص ۴۴۷) رہا یہ خیال کہ وقار الملک خود سکریٹری بننے کے خواہشمند ہیں تو اس کی پر زور تردید کرتے ہوئے نواب محسن الملک نے فرمایا۔ "وہ کبھی سکریٹری ہونے کے خواہاں نہیں ہیں، اگر کوئی ایسا وقت آ بھی جائے کہ لوگ ان کے سکریٹری بنائے جانے پر اصرار کریں تو شاید بہت ہی مجبوری اور کالج کی ہمدردی کے خیال سے وہ منظور کر لیں، ورنہ ان کو سکریٹری شپ کے منظور کرنے میں عذر ہوگا۔ اور یہ محض میرا خیال ہی نہیں ہے۔ بلکہ پچھلے واقعات سے اس کا بیّن ثبوت ملتا ہے۔ مجھے رنج ہوتا ہے جب لوگ ایسی بدگمانی ان کی نسبت مشہور کرتے ہیں۔ (ص ۴۴۶) یہ پڑھتے وقت یہ امر پیش نظر رہے کہ اس زمانہ میں علی گڑھ کالج کا سکریٹری پوری قوم کا سرتاج ہوتا اور ملت اسلامیہ کا نہایت قابل احترام بزرگ سمجھا جاتا تھا، بہرحال آپ نے دیکھا! علیگڑھ جس اسلامی تہذیب کی نمائندگی کرتا ہے اس کے خدوخال کیا ہیں! اور جن بزرگوں نے اپنے خون جگر سے اس چمن کی آبیاری کی ہے وہ اخلاقی اعتبار سے کس مرتبہ و مقام بلند کے بزرگ تھے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرکاری ملازمت کا ملنا اور مسلمانوں کے لیے ترقی کرنا مشکل ہوجائے گا ۔ اسی قسم کے مواقع کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ تم میں سے اگر کوئی شخص دو مصیبتوں میں گرفتار ہوجائے تو ان دونوں میں جو آسان مصیبت ہو اسے اختیار کرلے ، حضورؐ کا یہ ارشاد اس درجہ اہم ہے کہ ہمارے فقہائے نے استنباط و استخراج احکام کے اصول میں اس کو بھی شامل کرلیا ہے اور اس کی اساس پر متعدد احکام وضع کیے ہیں جو کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں ۔

(۳) پرنسپل ماریسن جنہوں نے پروفیسر کارنا کے نام کی سفارش کی تھی انگریزوں کے حد درجہ معتمد علیہ اور لفٹننٹ گورنر آف یوپی کے خاص دوست تھے اس بنا پر ان کی تجویز کو یکسر نظرانداز کردینا اچھے نتائج کا باعث نہیں ہوسکتا تھا ۔

(۴) پروفیسر آرنالڈ جو علیگڈھ چھوڑکر پنجاب چلے گئے تھے ، نہایت شریف اور قابل قدر انگریز تھے ۔ نواب محسن الملک نے اب ان کو پرنسپل کے عہدے پر بلانا چاہا مگر اس میں کامیاب نہیں ہوئے ۔

(۵) کارنا یقیناً مغرور اور بد دماغ انگریز ہوگا ۔ لیکن جو باتیں نواب وقار الملک نے اپنے خط میں اس کی طرف منسوب کی ہیں وہ مبالغہ سے خالی نظر نہیں آتیں ، خدانخواستہ یہ بات نہیں کہ نواب صاحب نے دروغ بیانی کی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص جماعت میں نیک نام ہو یا بدنام تو کچھ باتیں جو اس کی طرف منسوب ہوتی ہیں ، حقیقت ہوتی ہیں اور کچھ یوں ہی غلط سلط اس کے متعلق مشہور ہوجاتی ہیں ۔ کسی نے خوب کہا ہے ؂

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

اور ان کی نسبت کارنا کے وہ الفاظ اور مسلمانوں کی توہین و تذلیل میں اس کا وہ جملہ ! طبیعت ہرگز باور نہیں کرتی کہ کوئی شخص علیگڈھ کے اس ماحول میں اس طرح کی بدتمیزی کرے اور پھر اپنا سر سلامت لے جائے ، یہ انہونی سی بات ہے ، یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اندازہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا کہ نواب وقار الملک کی سخت مخالفت کے باوجود اگر نواب محسن الملک مسٹر ماریسن کی سفارش کو منظور کرنے پر رضامند ہو گئے تھے تو محض بادل نخواستہ اور کالج کے مفاد اور اس کی غرض و غایت کے پیش نظر، ورنہ دل سے پروفیسر کا رنا کو وہ بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ نواب وقار الملک بھی اس مصلحت اندیشی سے بے خبر نہیں تھے، چنانچہ وہ ایک خط میں جو انہوں نے اس سلسلہ میں مولانا حالی کو لکھا ہے۔ تحریر کرتے ہیں:۔

"جناب نے جو کچھ کہ ازراہِ دور اندیشی فرمایا ہے وہ ضرور قابلِ غور ہے اور اس کے علاوہ عالی جناب نواب محسن الملک بہادر جو ایک بات فرماتے ہیں وہ بھی توجہ کے قابل ہے، اور وہ یہ کہ اگر یورپین اسٹاف ہم سے بددل ہو جاتے اور انگلستان اور ہندوستان میں اس کا غل مچ جاوے کہ علیگڈھ کالج میں کوئی قاعدہ و اصول باقی نہیں ہے اور نیٹو حاکموں کی حکومت وہاں برداشت کرنی پڑتی ہے تو پھر آئندہ کسی پروفیسر کا میسر آنا بھی مشکل ہے۔" (وقار حیات ص ۴۔۹۳۴)

لیکن اسی احساس اور نواب محسن الملک کے دل میں جو خطرات تھے ان کی واقعیت کو تسلیم کرنے کے باوجود فرماتے ہیں:۔

"اگر یہ خطرات سب صحیح ہیں تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔" (ص ۲۴۴)

بہرحال نواب وقار الملک کی جدوجہد اور ان کے پرزور اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر ماریسن اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے، اور پروفیسر کا رنا کے بجائے مسٹر آرچبولڈ پرنسپل مقرر ہو گئے۔ اس طرح رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

کالج میں اسٹرائک

اس وقت تو خیر یہ معاملہ رفت و گذشت ہو گیا، لیکن اب کالج کا یورپین اسٹاف پہلا سا رہا نہیں تھا۔ آئے دن کوئی نہ کوئی شوشہ چھوٹتا رہتا تھا۔ مواد اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ آخر ایک دن یہ لاوا پھوٹ پڑا۔ طلباء

© rasailojaraid.com